محمد احمد خان کا قتل اور مقدمے کا فیصلہ
صحیح واقعات یا افسانہ ۔ حقائق کی روشنی میں

قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں

ہر مہذب معاشرے میں عدل و انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ اس کے افراد خواہ اُن کی معاشرتی حیثیت کیسی ہی بلند کیوں نہ ہو قانون کا احترام کریں۔ اور قانون شکنی کے لئے یکساں طور پر حسبِ قانون سزا کے مستوجب ہوں، منصف، قاضی یا جج کا فرض یہی ہوتا ہے کہ وہ مظلوم کی دادرسی کرے، ظالم کو اپنے کئے کی سزا دلوائے جو نتیجۃً معاشرے میں امن و امان کا سبب بنے۔ اگر عدل و انصاف کے ادارے کسی جُرم کے ارتکاب پر مجرم کی حیثیت کو دیکھ کر فیصلہ دیں تو ایسے اداروں پر سے عوام کا اعتماد اُٹھ جاتا ہے جس کا نتیجہ ملک میں مایوسی اور بے چینی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں ہیں، جب حاکم الوقت یا اس کے قریبی رشتہ داروں کو اپنے منصب کے باوجود سزا دی گئی۔

پاکستان میں عدل و انصاف کے ادارے ایک شاندار روایت کے حامل ہیں۔ اس بات کا اعتراف اندرونِ ملک ہی نہیں غیر ممالک میں بھی کئی بار کیا جا چکا ہے۔ اپنی تیس سالہ تاریخ میں کوئی بھی ایسا موقع نہیں آیا کہ پاکستان کی کسی اعلیٰ عدالت نے کسی مقدمے کا فیصلہ وقت کی انتظامیہ سے مرعوب ہو کر دیا ہو۔ بلکہ ایسی کئی مثالیں مل سکتی ہیں کہ اعلیٰ عدالتوں نے خود وقت کی حکومتوں کے خلاف فیصلے دیئے ہیں۔

ہمارے ججوں کے اس بے مثال اور بے لوث کردار کا سبب یہ ہے کہ اِن کی تربیت دو طرح کی روایات کے تحت ہوئی ہے۔ ایک تو موجودہ آزاد دنیا کی حق و انصاف کے ساتھ وابستگی کی روایات ہیں اور دوسری اسلامی نظامِ عدل کی پاکیزہ روایات ہیں جو اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ مظلوم کی دادرسی کی جائے۔

بعض لوگ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور دیگر چار ملزموں کے خلاف لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کو محض سیاسی نظروں سے دیکھتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ فیصلہ ایک گھناؤنے قتل کے ارتکاب پر عدالت عالیہ نے پُوری چھان بین کر کے

ملزموں پر جرم ثابت ہو جانے کے بعد دیا ہے۔ شہادت کے مطابق سابقہ وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے ماتحتوں کو ایک سیاسی حریف احمد رضا قصوری کو قتل کرنے کا حکم دیا لیکن بجائے احمد رضا قصوری کے اُن کے والد نواب محمد احمد خان قتل کر دیئے گئے۔ جن افراد نے واقعی قتل کا ارتکاب کیا یعنی رانا افتخار، ارشد اقبال اور غلام مصطفیٰ نیز میاں محمد عباس، اُنھوں نے عدالت کے رُوبرو جرم کا اقرار کر لیا۔ اور یہ واضح کیا کہ یہ اقدام سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے حکم پر کیا گیا۔ استغاثہ نے اس امر کے دستاویزی ثبوت بھی عدالت میں پیش کئے۔ عدالت عالیہ نے ذوالفقار علی بھٹو کو بڑا مجرم قرار دیا کیونکہ اُنھوں نے سازش کے سرغنہ کا کردار ادا کیا تھا، اور اُنھیں موت کی سزا کا حکم سُنایا ساتھ ہی جرم کے ارتکاب کرنے والے اور نگرانی کرنے والے دیگر مجرموں کو بھی برابر کی سزا کا مستحق ٹھہرایا۔ لاہور ہائی کورٹ نے اپنے متفقہ فیصلہ میں کہا ہے:

عدالت عالیہ کا فیصلہ

پیرا ۶۱۸

"تمام الزامات جو ملزموں پر عاید کئے گئے تھے پُوری طرح ثابت ہو گئے ہیں۔ یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ احمد رضا قصوری کو قتل کرنے کی سازش نواب محمد احمد خان کے قتل پر ختم نہیں ہو گئی بلکہ اس کے بعد بھی جاری رہی کیونکہ احمد رضا قصوری کو قتل کرنے کا مقصد حاصل نہیں ہوا تھا۔ سازش کی سزا پر دفعہ ۱۲۰ (ب) کو ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۱۵ کے پہلے پیرے کے ساتھ پڑھ کر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔"

نہ جرم نیا ہے نہ مقدمہ

ذوالفقار علی بھٹو اور دیگر چار افراد پر قتل کے الزام کے مقدمہ کی اجمالی صورتِ حال مندرجہ ذیل ہے:

یہ مقدمہ جس کے نتیجہ میں مسٹر بھٹو اور اس کے ساتھیوں کو لاہور ہائی کورٹ نے قتل کی سازش اور ارتکاب جرم میں موت کی سزا سُنائی ہے نیا نہیں ہے۔ نواب محمد احمد خاں کا قتل نومبر ۱۹۷۴ء میں ہوا اور اس کے چند گھنٹے بعد ہی مقتول کے بیٹے احمد رضا قصوری نے جو اُس وقت کی قومی اسمبلی کے رکن تھے پولیس تھانہ اچھرہ میں رپورٹ درج کرائی جس میں اُنھوں نے وقوعہ کی تفصیلات کے ساتھ اس وقت کے وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کو اصل ملزم قرار دیا۔

یہ قتل ۱۱ نومبر ۱۹۷۴ء کی صبح صادق سے پہلے واقع ہوا اور ۱۲ نومبر کے اخبارات میں اس کی رپورٹ شائع ہوئی۔ اِن اخباری رپورٹوں میں پاکستان بار کونسل کی ایگزیکٹو کمیٹی کے چیئرمین کا ایک بیان بھی شامل تھا جس میں کہا گیا تھا کہ یہ قتل سیاسی انتقام کی سازش کا شاخسانہ ہے۔

بھٹو حکومت نے لاہور ہائی کورٹ کے جناب جسٹس شفیع الرحمٰن کو انکوائری پر مامور کیا تاکہ اس جرم کے عوارض و جوانب معلوم ہو سکیں۔ لیکن بعد میں اس انکوائری کی رپورٹ جو ۱۹۷۵ء کے اوائل میں پیش کی گئی تھی کبھی منظر عام پر نہ آنے دی۔

چنانچہ اس ٹریبونل کی رپورٹ داخل ہونے کے بعد کوئی مزید کارروائی نہ کی گئی اور اس کیس کو مجرموں کے سُراغ نہ ملنے کی بنا پر داخل دفتر کر دیا گیا۔

جب بھٹو حکومت تبدیل ہوئی تو فوری طور پر احمد رضا قصوری کی بیوہ والدہ بیگم نواب محمد احمد خان نے مقدمے کی دوبارہ پیروی شروع کی ۱۱ نومبر ۱۹۷۴ء کی ابتدائی رپورٹ کے حوالے سے اُنھوں نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو اپیل کی کہ حکومت پنجاب کو فوری احکامات صادر کئے جائیں کہ اُن کے خاوند کے قتل کے مقدمے کی دوبارہ تفتیش کی جائے جس میں سابق وزیر اعظم زیڈ۔ اے۔ بھٹو اصل ملزم ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ موجودہ مارشل لاء انتظامیہ کو اس کارروائی کے شروع کرنے سے کوئی سروکار نہیں تھا جس کے نتیجے میں مسٹر بھٹو اور ان کے ساتھیوں پر مقدمہ چلایا گیا۔

مقدمہ فوجی عدالت میں نہیں بلکہ عام قانون کے ماتحت چلا

یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اگرچہ قتل جیسا جرم مارشل لاء کے اس ضابطے کی حدود میں آتا ہے جو بھٹو کے زوال کے فوراً بعد جاری کیا گیا تھا مزید برآں بعض حلقوں نے بھٹو پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلانے کی اپیلیں بھی کی تھیں۔ پھر بھی مارشل لاء انتظامیہ نے ملک کے عام قانون میں مداخلت سے اجتناب کیا۔

چنانچہ موجودہ انتظامیہ کے معرضِ وجود میں آنے کے چند ہفتے بعد بیگم نواب محمد احمد خان کی شکایت پر عام تعزیری قانون کے تحت ایڈیشنل سیشن جج لاہور کی عدالت میں اس مقدمے کا آغاز ہوا۔ بیگم نواب محمد احمد خان نے عدالت میں اپنے بیان میں وقوعہ کی دیگر تفصیلات پیش کرنے کے ساتھ یہ بھی واضح کیا کہ اُن کے خاندان کا کوئی دشمن نہ تھا سوائے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے۔ بعد میں ضابطہ فوجداری کے تحت ایک باقاعدہ درخواست کے نتیجے میں یہ مقدمہ ہائی کورٹ میں منتقل کر دیا گیا۔ ضابطہ فوجداری کی رُو سے قتل کے مقدمے پہلے سیشن عدالتوں میں سُنے جاتے ہیں لیکن اسی ضابطے کی دفعہ ۵۲۶ کے تحت ہائی کورٹ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی بھی جرم کے مقدمے کو اپنے ہاں منتقل کرلے ”جبکہ اس بات کا خدشہ ہو کہ ماتحت عدالت میں مقدمے کی منصفانہ اور غیر جانبدارانہ کارروائی ممکن نہیں یا یہ کہ ایسی صورت میں غیر معمولی قسم کی قانونی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں، یا ہائی کورٹ یہ محسوس کرے کہ اس کے ہاں مقدمے کی کارروائی دونوں پارٹیوں اور گواہوں کے لئے آسانی مہیا کرے گی، دیگر یہ کہ ایسا حکم انصاف کے تقاضوں کو جلد پورا کرنے میں معاون ہوگا۔“

پاکستان میں ہائی کورٹوں نے ہمیشہ اپنے اس اختیار کو ماتحت عدالتوں میں اہم مقدمات پر انتظامیہ یا دیگر بارسوخ پارٹیوں کو اثر انداز ہونے سے روکنے کے لئے استعمال کیا ہے۔ ایک ماتحت عدالت سے کسی مقدمے کے اعلیٰ عدالت میں منتقل ہونے کا مقصد دو متعلقہ پارٹیوں میں سے کمزور کو یہ یقین دلانا ہوتا ہے کہ اس کے مقدمے کی کارروائی انتظامیہ کے اثر یا دیگر اثراندازیوں سے بری ہوگی اور منصفانہ اور غیر جانبدارانہ ہوگی۔

اس مقدمے کی سماعت پانچ ججوں پر مشتمل فل بنچ نے کی جب کہ مروجہ قانون کے تحت صرف دو جج کافی ہوتے ہیں۔ اس فل بنچ کی صدارت چیف جسٹس نے کی جب کہ مقدمے کو ہائی کورٹ میں منتقل کرنے کا حکم دینے والے جج صاحب کو اس بنچ میں شامل نہ کیا گیا۔

مقدمے کی سماعت اور کارروائی کے دوران بڑے ملزم ذوالفقار علی بھٹو نے چیف جسٹس پر تعصب اور طرفداری کا الزام لگایا۔ چنانچہ بڑے ملزم کی اس نوعیت کی پیٹیشن کی عدالت میں سماعت ہوئی مگر رد کر دی گئی تھی۔ اس کے بعد مسٹر بھٹو نے سپریم کورٹ میں درخواست دی کہ اُنھیں ہائی کورٹ کے اس حکم کے خلاف اپیل کرنے کی اجازت دی جائے لیکن بعد ازاں از خود اس درخواست کو واپس لے لیا۔

اب بھی انصاف کی راہ کھلی ہے

سپریم کورٹ میں ملزموں کی اپیل دائر ہو چکی ہے۔ چیف جسٹس پاکستان انوار الحق نے یہ واضح کر دیا ہے کہ سپریم کورٹ عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرے گا۔ ملزموں کو اپنے دفاع کے مزید مواقع فراہم کر دیئے گئے ہیں چنانچہ اب یہ اُن کا کام ہے کہ مروجہ قانون کی حدود کے اندر اپنی بے گناہی ثابت کریں۔ ورنہ قانون بہرحال قانون ہے جو سب کے لئے برابر ہے۔

ہندوستانی اخباروں کی رائے میں

ہندوستان میں لاہور ہائی کورٹ کے اس فیصلے پر رائے عامہ نے جس ملے جُلے ردِ عمل کا اظہار کیا ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جہاں بعض لوگ پاکستان کے سیاسی اور معاشرتی پس منظر سے اور عدالتی نظام کے طریق کار سے بالکل ناواقف ہیں وہاں ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے ان سب باتوں کا بڑی دقتِ نظر سے مطالعہ کیا اور پھر اپنی رائے کا اظہار کیا۔ اس زمرے میں بعض ہندوستانی پبلک کے نمایاں اشخاص کے علاوہ وہ اخبار بھی شامل ہیں جن کے پیشِ نظر حق و صداقت سے وابستگی زیادہ اہمیت رکھتی ہے بہ نسبت مفاد پرستی کے۔

چنانچہ بے جا نہ ہوگا اگر ایسے اخبارات کی تحریروں کے چند اقتباسات

قارئین کی خدمت میں پیش کر دیے جائیں۔

۱۔ روزنامہ **پرتاپ**، دہلی، اپنے ۲۰ مارچ کے اداریے میں "موت کی سزا" کے عنوان سے لکھتا ہے:

"ہر ڈکٹیٹر جب دوسروں پر ظلم و تشدد کرتا ہے تو یہ بھول جاتا ہے کہ عین ممکن ہے ایک دن اس کی بھی وہی حالت ہو سکتی ہے جو وہ دوسروں کی کر رہا ہے۔ پاکستان کے ذوالفقار علی بھٹو کے حشر سے یہ نمایاں ہوتا ہے۔ لاہور ہائی کورٹ نے اسے موت کی سزا دی ہے۔ ایک ہفتہ اسے دیا گیا ہے اعلیٰ عدالت میں اپیل کرنے کے لئے۔ یہ اپیل ہوگی لیکن سپریم کورٹ کیا فیصلہ دیتا ہے یہ کہنا قبل از وقت ہے۔"

"مقدمے کے دوران مسٹر بھٹو جس طریقہ پر عمل کرتے رہے ہیں اس سے یہ نظر آتا ہے کہ آپ عدالت کو بھی مرعوب کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے ججوں کے خلاف توہین آمیز الفاظ استعمال کئے اور اسی خیال کے نظر آتے تھے کہ آپ کو کوئی پرواہ ہے نہ ڈر گویا کہ عدالت آپ کے خلاف کوئی کارروائی کر ہی نہیں سکتی۔ لیکن اب آپ کو پتہ لگ گیا ہے کہ عدالت کیا کر سکتی ہے۔"

۲۔ روزنامہ **الجمعیۃ**، دہلی، اپنی ۲۰ مارچ کی اشاعت میں "سزائے موت کا حکم" کے عنوان سے اپنے اداریے میں لکھتا ہے:

"مسٹر بھٹو کے علاوہ جن دوسرے چار افراد کو سزائے موت کا حکم سُنایا گیا ہے اُن میں میاں محمد عباس سابق ڈائرکٹر فیڈرل سیکورٹی فورس اور تین جونیئر افسران شامل ہیں۔

"مسٹر بھٹو نے بڑے استقلال کے ساتھ پنجاب ہائی کورٹ کا فیصلہ سُنا۔ یہ اُن کے مزاج کے خلاف تھا۔ پانچوں ججوں نے اپنے فیصلے میں اسے "کذّاب" قرار دیا ہے۔ مسٹر بھٹو جب بھی عدالت میں آتے تھے ججوں کو دھمکیاں دیا کرتے تھے اور ججوں کی توہین کو انھوں نے اپنا شعار بنا رکھا تھا ......"

۳۔ روزنامہ **دعوت**، دہلی نے اپنے "خبر و نظر" کے کالم میں مندرجہ ذیل تبصرہ اپنی ۲۲ مارچ ۱۹۷۸ء کی اشاعت میں تحریر کیا:

بھٹو کو سزائے موت

"پاکستان کے سابق وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو موت کی سزا سنا دی گئی ہے۔ یہ فیصلہ ہائی کورٹ کی پانچ ججوں کی ایک بنچ نے متفقہ طور پر دیا ہے۔ ان پر الزام تھا کہ انھوں نے اپنے ایک سیاسی حریف مسٹر احمد رضا قصوری کو قتل کرنے کے لئے خفیہ پولیس کو پابند کیا لیکن مسٹر قصوری بچ گئے اور ان کے والد اس سازش کا نشانہ بن گئے۔ مسٹر بھٹو اور اُن کے مداحوں نے اس مقدمے میں اپنی صفائی پیش کرنے کی بجائے اسے سیاسی رنگ دیے اور سیاسی دباؤ ڈالنے کی کوشش کی۔"

"یہ بات اپنی جگہ صحیح ہو سکتی ہے کہ اس سزا کی تعمیل ہو تو اس کا سیاسی ردّ عمل ہو لیکن اس کا یہ پہلو صد درجہ خطرناک ہے کہ سیاسی اثرات کا دباؤ ڈال کر کوئی شخصیت اپنے آپ کو قانون کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کرے۔"

سیاسی محاذ کی خواہش

"بعض ہندوستانی اخبار یہ تأثر دے رہے ہیں کہ اس مسئلے کو سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھا جانا چاہیئے اور یہ بات بدیہی ہے کہ ایک اخلاقی جرم کو سیاسی مصالح کا تابع بنا دیا جائے تو پھر مجرم کی شخصیت کو سامنے رکھ کر اس کے ہر جرم کی پردہ پوشی ہو جانا لازمی ہے۔ ہم اگر ہندوستان میں یہ بات پسند کرتے ہیں کہ اخلاقی جرائم کو معاف نہ کیا جائے خواہ اس کا ارتکاب کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے ہوا ہو تو انصاف کا تقاضا ہے کہ اسی عینک سے ہم دوسرے ملکوں کے حالات پر بھی نظر ڈالیں۔ اپنے لئے ایک پیمانہ مقرر کرنا اور دوسرے کے لئے دوسرا باٹ رکھنا انصاف پسندی سے بعید ہے۔"

۴۔ روزنامہ **پرتاپ**، دہلی، اپنی ۲۴ مارچ ۱۹۷۸ء کی اشاعت میں "بھٹو اور بھارت" کے عنوان سے اپنے اداریے میں لکھتا ہے:

"لطف یہ ہے کہ جو لوگ آج بھٹو کے حق میں اپنا گلا پھاڑ رہے ہیں اس بات کو ایک دم سے نظر انداز کر رہے ہیں کہ ایک بے گناہ کا قتل ہوا اور وہ شخص بھٹو کے سیاسی مخالف کا محترم پتا تھا جس گولی نے نواب صاحب کو ہلاک کیا وہ تھی بھٹو کے مخالف کے لئے۔ کیا یہ سمجھا جائے کہ آج ہندوستان میں شہری آزادی کے یہ دیوانے یہ کہہ رہے ہیں کہ مسٹر بھٹو کو اس بات کی اجازت تھی کہ اپنے سیاسی مخالفوں کو قتل کرتا پھرے۔ کھلی عدالت میں مقدمہ چلتا ہے۔ پانچ جج متفقہ طور سے اسے سزا دیتے ہیں۔"

"حق یہ ہے کہ کسی نے یہ نہیں کہا کہ بھٹو نے اپنے ہاتھوں سے نواب کو قتل کیا۔ الزام یہ ہے کہ بھٹو نے سازش کر کے اسے قتل کرایا اور جس شخص نے قتل کیا اس کی شہادت موجود ہے کہ بھٹو کے حکم سے ایسا ہوا۔"

۵۔ روزنامہ **پرتاپ** میں "ہندوستانی رائے عامہ اور مسٹر بھٹو" کے

عنوان سے صبیح الدین انصاری لیکچرار دہلی یونیورسٹی اس کی ۲۸ مارچ کی اشاعت میں لکھتے ہیں:

"پاکستان کے سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو اپنے ایک سیاسی حریف کو قتل کرنے کا حکم دینے کی پاداش میں لاہور ہائی کورٹ نے موت کی سزا سنائی، ساتھ ہی انھیں سپریم کورٹ میں اپیل کرنے کے لئے سات دن کی مہلت دی تھی، یہ اپیل دائر ہو چکی ہے۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:

"ان کے خلاف قتل اور دوسرے سنگین جرائم کی ایک طویل فہرست ہے جن کے سلسلہ میں عوام اور عدلیہ کے روبرو انھیں اپنی بے گناہی ثابت کرنی ہے۔ ظاہر ہے کہ مسٹر بھٹو قانونی جنگ ہار چکے ہیں۔ انھوں نے عدالت کے اندر اور باہر جس حکمتِ عملی کا مظاہرہ کیا اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے پاس اپنا قانونی دفاع کرنے کے لئے کوئی دستاویزی ثبوت یا مواد موجود نہیں ہے۔ اس لئے وہ پورے معاملے کو ایک سیاسی رنگ دے کر عوام کے جذبات بھڑکانا اور اس طرح اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

۶۔ روزنامہ **دعوت**، دہلی اپنے ۱۲ اپریل کے اداریے میں "اُصولی مسئلہ اور غلط وکالت" کے عنوان سے لکھتا ہے:

"مسٹر بھٹو کی سزا کا سیاسی انتقام سے رشتہ جوڑا جا رہا ہے، اور اگر ایسا ہوتا تو یقیناً بہت بُرا ہوتا لیکن سوال یہ ہے کہ انھیں جس جرم میں سزا دی گئی ہے اس کی ابتدائی رپورٹ خود انہی کے عہدِ اقتدار میں ان کے ایک ساتھی نے درج کرائی تھی جن کی خاندانی روایات یہ رہی ہیں کہ انھوں نے کبھی غلط دباؤ کا اثر قبول نہیں کیا۔ ان پر فیڈرل سیکورٹی فورس کے لوگوں نے رات کے اندھیرے میں گولی چلائی جس میں ان کی جگہ ان کے والد جاں بحق ہو گئے۔ اور دوسرے ہی دن زبردست دباؤ کے باوجود اُنھوں نے مسٹر بھٹو کو اصل ملزم نامزد کر کے پولیس میں رپورٹ لکھوائی۔"

"دنیا کی قومیں اُصولوں پر چلیں اور انصاف سے کام لیں تو ان کا وقار بلند ہوتا ہے۔ ہاں اگر وہ اپنے بڑے لوگوں کو معاف کر دیں اور قانون صرف چھوٹوں کی گردنیں جکڑنے کے لئے رہ جائے تو یہیں سے اُن کی تباہی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ ابھی پاکستان میں یہ مقدمہ سپریم کورٹ میں ہے، جہاں مسٹر بھٹو کو اپنی صفائی کا موقع ہے۔"

انگریزی اخباروں کے اداریوں کے کچھ اقتباسات

درج ذیل ہیں:

National Herald, March 21 :

"...no motive can be imputed to the Lahore High Court or to the Martial regime."

Amrit Bazar Patrika, Calcutta, March 21.

"Mr. Bhutto committed a grave blunder in boycotting the proceedings of the High Court during his trial. He proceeded so far as to threaten and insult the Judges, as their judgement explicitly states. Being a lawyer himself, he should have remembered that this was a positively wrong strategy. He was on trial before a High Court, not before an ordinary Magistrate, and he should not have presumed that arguments in defence would not be given due weight. The charge against him was murder, although it had a political background — the victim was one of his political opponents — it was not a political charge. He described the trial as "a handle for political exploitation" but this was no ground for his refusal to place before the High Court such evidence as he could collect to prove his innocence".

Statesman, March 21.

"Murder certainly should not be condoned, especially not as an instrument in politics; if an exception is made for a head of Government, the example might prove tempting for people in less exalted walks of life. Though the former Prime Minister predictably condemned his trial as "a handle for political exploitation", there has been no serious charge of judicial impropriety".

The Hindustan Times, March 21.

"Given the kind of politics evolving in Pakistan and Mr. Bhutto's style of Government, it is quite possible that he is guilty and the judges have gone by law and evidence and not bent to extraneous pressures."

The Tribune, Chandigarh, March 23.

"Mr. Bhutto is a tough customer, shrewd and wily. His whole effort has been to politicise the prosecution on a murder charge, and he succeeded in this effort to such an extent that the High Court itself felt called upon to conduct the trial in camera when it was Mr. Bhutto's turn to put up his defence".

Times of India, March 28.

"....This is not to pretend that Bhutto is innocent of the charges against him. On the contrary, he has a lot more to answer than the charge of complicity in a political murder of which he has been convicted."

Radiance Weekly, April 2, 1978 writing under the caption "Leniency to Mr. Bhutto"

"Unless motives are imputed and the collective wisdom and conscience of all the five Judges is branded as 'committed' there is no room either for protests or for supplication"

ناشر: شعبۂ اطلاعات، سفارت خانۂ پاکستان، نئی دہلی
طباعت: جی. سی. پرنٹرز ۱۴۴۱ دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲، فون: ۲۷۲۴۵۳